AL-TABYEEN, *[ISSN (P)* **2664-1178**, *(E)* **2664-1186** | *Jan-Jun-2021, Vol: 5, Issue: 1*

مشکل الحدیث کے حل میں ملا علی قاریؒ کا منہج، ایک تجزیاتی مطالعہ

مصباح الحسن*

عبدالباسط خان**

ABSTRACT

The Problematic narration has always been under the special focus of the commentators of Hadith. This important branch of Hadith sciences, in fact removes all objections that rise on the text of an authentic narration of the Holy Prophet (S.A.W).Mulla Ali Al-qari, being a famous commentator has opted a comprehensive pattern in solving such problematic narrations in his famous commentar0y on Mishqat Al-masabih named as Mirqat Al-mafatih. This article is an effort to explore his style by presenting ten examples from this voluminous commentary. Qari has at first, investigated the authenticity of such narration. He has tried to present the views and interpretations of his predecessor scholars such as Nawavi, Ibn-e-Hajar, and Khattabi etc. He seems to owe a clear viewpoint about this kind of narration that prophetic sayings after being confirmed and authentic as per principles set in Hadith Sciences, must be interpreted in a way which testifies the sanctity of that narration. This research concludes that problematic narrations have been interpreted by Muslim

---

* پی ایچ ڈی سکالر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

** اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

scholars of every age according to knowledge they possessed. In this modern age of Science and technology, if any such narration has multi interpretation only that one may be preferred which is supported by the available modern research It will surely make non- believers incline to Islam and its eternal teachings.

Keywords: مشکل الحدیث، تبحر، متداول، استنباط، علم کونیہ

حدیث اصول دین میں سے دوسری اہم اصل ہے اسکی اسی اہمیت کے پیش نظر حدیث کے مختلف پہلوؤں پر علماء امت نے کام کیا۔ بعض نے تدوین و شروح حدیث پر کام کیا تو بعض نے اصول و مصطلحات حدیث کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ اصول و مصطلحات حدیث کی ایک اہم بحث مشکل الحدیث بھی ہے۔ مشکل الحدیث کے بیان اور اس کے حل میں بہت سے محدثین نے کام کیا جن میں ایک نمایاں نام ملا علی قاریؒ (م۔1014ھ) کا بھی ہے۔ آپ ایک جامع شخصیت کے مالک تھے جو تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، لغت اور دیگر مختلف علوم و فنون کے ماہر تھے۔ آپ ایک متبحر عالم تھے، جس موضوع پر قلم اٹھاتے اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے۔ آپ نے متفرق دینی و مذہبی موضوعات پر قلم اٹھایا اور چھوٹی بڑی سو سے زیادہ کتابیں تالیف کیں لیکن ان سب میں زیادہ جامع اور مشہور "مرقاۃ المفاتیح لمشکاۃ المصابیح" ہے جو کہ "مشکوٰۃ المصابیح" کی مشہور و متداول شروحات میں سے ایک اہم شرح ہے۔ اس میں آپ نے ابواب کا تعارف، مشکل الفاظ کی شرح، اعراب، معانی، تفسیر، راویوں کا تعارف، احکام کا استنباط، احادیث میں تطبیق اور مختلف فقہی آراء وغیرہ کا ذکر کیا۔ آپ نے سابقہ شروحات سے بھی استفادہ کیا اور ان کے نکات کو درج کیا اور خاص طور پر علامہ طیبی کی الکاشف عن حقائق السنن سے کثرت سے استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ مختلف مقامات پر موقع و محل کی مناسبت سے آئمہ و محدثین کی آراء و اقوال بھی درج کیے ہیں۔ "مرقاۃ المفاتیح" میں صاحب مرقاۃ نے دیگر امور کے ساتھ ساتھ مشکل الحدیث کی ابحاث بھی رقم کی ہیں اور احادیث میں موجود مشکلات کو حل کیا ہے۔اس مقالہ میں اولا مشکل الحدیث کی وضاحت کی گئی ہے اور ثانیا مشکلات الحدیث کے حل میں ملا علی قاریؒ کے خاص اسلوب کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مصطلح الحدیث کی اہم مباحث میں سے ایک اہم اور دقیق فنی بحث مشکل الحدیث بھی ہے۔ مشکل اشکال سے

اسم فاعل کا صیغہ ہے یعنی وہ حدیث جس کے معنی میں اشکال ہو۔ بعض محدثین مختلف الحدیث پر بھی مشکل کا اطلاق کر دیتے ہیں جیسا کہ امام طحاویؒ نے اپنی کتاب کا نام مشکل الآثار رکھا اسی طرح امام ابو بکر محمد بن الحسن بن فورک (المتوفی:406ھ) نے بھی اپنی کتاب کا نام مشکل الحدیث رکھا۔ اصطلاحی اعتبار سے مختلف الحدیث اور مشکل الحدیث میں فرق ہے۔ مختلف الحدیث وہ ہوتی ہے جس میں دو یا زیادہ احادیث میں بظاہر تعارض، تضاد اور تناقض ہو جبکہ مشکل الحدیث اس سے زیادہ عام ہے۔

مشکل الحدیث کی لغوی و اصطلاحی تعریف:

ابن منظور الافریقی (المتوفی:711ھ)

لفظ اشکل کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أَشْكَل عَلَيَّ الأَمْر إذا اخْتَلَط، وأَشْكَلَتْ عليَّ الأَخبار وأَحْكَلَتْ بِمَعْنًى وَاحِدٍ. والأَشْكَل عِنْدَ الْعَرَبِ: اللَّوْنَانِ الْمُخْتَلِطَانِ.[1]

"اشکل الامر اس وقت کہا جاتا ہے جب مختلف خبریں مل جائیں اور ایک جیسی ہو جائیں۔ اہل عرب کے ہاں لفظ اشکل کو دو ایسے رنگوں کے لیے استعمال کرتے ہیں جو آپس میں ملتے جلتے ہوں۔"

جبکہ معجم الوسیط میں مشکل کی وضاحت یوں کی گئی ہے۔

(الْمُشكل) الملتبس و (عِنْد الْأُصُولِيّينَ) مَا لَا يفهم حَتَّى يدل عَلَيْهِ دَلِيل من غَيره[2]

محمد بن یعقوب الفیروزآبادی (المتوفی:817ھ) لکھتے ہیں:

أشْكَلَ الأمرُ: الْتَبَس

"اشکل الامر کا معنی ہے معاملے کا ملتبس ہونا۔"[3]

---

[1] ۔الإفريقى ، محمد بن مكرم بن على، ابن منظور الأنصاري (المتوفى: 711هـ) لسان العرب دار صادر – بيروت الطبعة: الثالثة - 1414 هـ 357:11

[2]۔ إبراهيم مصطفى ، أحمد الزيات ، حامد عبد القادر ، محمد النجار، المعجم الوسيط مجمع اللغة العربية،دار الدعوة، بيروت 491:1، س ن

[3]۔ الفيروزآبادى ، محمد بن يعقوب (المتوفى: 817هـ) القاموس المحيط، مؤسسة الرسالة،

محمد بن محمد بن سويلم أبو شُهبة (المتوفى: 1403ھ) اپنی تالیف الوسيط في علوم ومصطلح الحديث میں مشکل الحدیث کی وضاحت درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں۔

فقد يكون سببه وجود تعارض بين حديثين أو أكثر، وقد يكون سببه كون الحديث مشكلا في معناه لمخالفته في الظاهر للقرآن مثلا أو لاستحالة معناه أو لمخالفته لحقيقة من الحقائق المتعلقة بالأمور الكونية التي كشفت عنها العلوموالمعارف الحديثة كعلم الفلك، أو الطب، أو علم سنن الله الكونية وهو ما يسمى في لسان الناس: علم الطبيعة.[1]

"اس کا سبب دو یا زیادہ احادیث کے درمیان تعارض یا اس کا سبب کہ وہ حدیث اپنے معنی کے اعتبار سے مشکل ہو کہ بظاہر وہ قرآن پاک کی مخالف ہو یا اس کا معنی محال ہو یا امور کونیہ سے متعلقہ حقائق جن کو جدید سائنسی علوم نے واضح کر دیا ہے کے خلاف ہو یا جدید علوم جیسا کہ علم الفلک، طب یا علم کونیہ جس کو لوگوں کی زبان علم الطبیعہ کہتے ہیں، کے خلاف ہو۔"

مثالیں:

مشکل الحدیث کی بے شمار مثالیں ہیں جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

1۔فَإِنَّ فِي أَحَدِ جَنَاحَيْهِ شِفَاءً، وَفِي الآخَرِ دَاءً[2]

"بے شک اس کے (مکھی) ایک پر میں بیماری ہے اور دوسرے میں شفا ہے۔"

2۔ «مَنْ تَصَبَّحَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعَ تَمَرَاتٍ عَجْوَةً، لَمْ يَضُرَّهُ فِي ذَلِكَ اليَوْمِ سُمٌّ وَلاَ سِحْرٌ»[3]

بيروت، الطبعة:الثامنة، 1426 ھ - 2005 م، 1: 1019

[1]۔ أبو شهبة، محمد بن محمد بن سويلم (المتوفى: 1403ه) ،الوسيط في علوم ومصطلح الحديث ،دار الفكر العربي،ص: 442

[2] ۔ بخاری، محمد بن اسماعيل، الجامع الصحيح، دمشق: دار طوق النجاة، طبع اول 1422 ھ،باب اذا وقع ذباب فی الاناء، 7 : 140

[3]۔ایضا، باب العجوة، 7:80

"جس نے ہر صبح عجوہ کی سات کھجوریں کھالیں اس کو نہ تو زہر اثر کرے گا اور نہ جادو۔"

3۔ «الْحُمَّى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَابْرُدُوهَا بِالْمَاءِ[1]"

"بخار جہنم کی بھاپ سے ہے اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔"

4۔تَحَاجَّتِ الجَنَّةُ وَالنَّارُ [2] "

"جنت اور دوزخ نے جھگڑا کیا۔"

5 ۔ احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ عِنْدَ رَبِّهِمَا [3] "

"آدم اور موسیٰ نے اپنے رب کے ہاں مکالمہ کیا۔"

درج بالا تمام احادیث جن کا ظاہر مشکل ہے اور جن کو مستشرقین نے بغیر کسی صحیح وجہ کے احادیث پر طعن کا ذریعہ بنالیا ہے۔ پس اس بنا پر مشکل الحدیث، مختلف الحدیث کی نسبت زیادہ عام ہے۔ لہذا ہر مختلف مشکل سمجھی جاسکتی ہے لیکن ہر مشکل مختلف الحدیث کی قبیل میں شامل نہیں ہو گی۔ پس ان دونوں کے درمیان عموم اور خصوص کا فرق ہے۔

مختلف اور مشکل الحدیث کی ضروری شرط:

کوئی بھی حدیث مختلف اور مشکل الحدیث کے دائرے میں تب ہی آئے گی جبکہ وہ صحیح یا حسن ہو یعنی مقبول ہو جس سے احتجاج کیا جائے۔ اگر وہ ضعیف یا موضوع ہے تو اس دائرے میں نہیں آئے گی۔ پس مختلف الحدیث میں معول علیہ صحیح یا حسن ہو جبکہ ضعیف، ساقط اور موضوع کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح کوئی حدیث مشکل اعتبار نہیں کی جائے گی جبتک کہ وہ صحیح یا حسن نہ ہو اگر وہ ضعیف، ساقط، متروک یا موضوع ہو تو اس کو ویسے ہی ترک کر دیا جائے گا۔

---

[1] مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري (المتوفى: 261ھ)، الجامع الصحيح ،دار إحياء التراث العربي – بيروت ،باب لكل داء دواء 4: 1732

[2] صحیح بخاری، باب قوله (و تقول هل من مزيد) 6،:138

[3] صحیح مسلم ،باب حجاج آدم و موسى علیهما السلام،4: 1732

مشکلات الحدیث کی مباحث اور اس کے حل میں صاحب مرقاۃ کا طریقہ کار

احادیث کی شرح کے دوران جہاں کوئی ایسی حدیث آتی ہے جس میں اشکال ہو تو ملا علی قاریؒ اس اشکال کو دور کرتے ہیں اور دیگر شارحین اور آئمہ احادیث نے بھی اس حوالے سے جو کلام کیا اس کو بھی نقل کرتے ہیں۔ کہیں تو صرف ان آئمہ کا نام ذکر کر کے ان کے مباحث ذکر کرتے ہیں تو کہیں ان کی کتب جن میں انہوں نے اس حوالے سے کلام کیا اس کا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ بعض مقامات پر آپ دیگر آئمہ کے اقوال اور مباحث ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اس پر اپنا تبصرہ بھی کرتے جاتے ہیں۔ کہیں اجمالی بحث کرتے ہیں تو کہیں تفصیلی کلام کرتے ہیں جس سے قاری کے ذہن سے سارا اشکال دور ہو جاتا ہے اور حدیث واضح اور نکھر کر اس کے سامنے آجاتی ہے۔ ذیل میں اس کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

1۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کو طمانچہ مارنا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ قال رسول الله ﷺ: جَاءَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلَى مُوسَى، فَقَالَ: أَجِبْ رَبَّكَ، فَلَطَمَ مُوسَى عَيْنَ مَلَكِ الْمَوْتِ، فَفَقَأَهَا، فَرَجَعَ الْمَلَكُ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَقَالَ: إِنَّكَ بَعَثْتَنِي إِلَى عَبْدٍ لَكَ لَا يُرِيدُ الْمَوْتَ، وَقَدْ فَقَأَ عَيْنِي، قَالَ: فَرَدَّ اللهُ إِلَيْهِ عَيْنَهُ، وَقَالَ: ارْجِعْ إِلَى عَبْدِي، فَقُلْ لَهُ الْحَيَاةَ تُرِيدُ، فَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْحَيَاةَ فَضَعْ يَدَكَ عَلَى مَتْنِ ثَوْرٍ، فَمَا وَارَتْ يَدُكَ مِنْ شَعْرِهِ، فَإِنَّكَ تَعِيشُ بِهَا سَنَةً، قَالَ: ثُمَّ مَهْ قَالَ: ثُمَّ الْمَوْتُ، قَالَ: فَالْآنَ يَا رَبِّ مِنْ قَرِيبٍ [1]"

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جب ان کی روح قبض کرنے کے لیے بھیجا گیا اور وہ ان کے پاس پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک طمانچہ مارا ان کی آنکھ پھوٹ گئی وہ پروردگار کے پاس واپس جا کر کہنے لگے کہ آپ نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیج دیا جو مرنا نہیں چاہتا اللہ نے ان کی آنکھ واپس لوٹا دی اور فرمایا ان کے پاس واپس جا کر ان سے کہو کہ ایک بیل کی پشت پر ہاتھ رکھ دیں

---

[1]۔ أحمد بن حنبل ، المسند مؤسسة الرسالة ، 1421 ھ - 2001 م، باب مسند أبی هريرة، 13:506

ان کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آگئے ہر بال کے بدلے ان کی عمر میں ایک سال کا اضافہ ہو جائے گا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اے پروردگار پھر کیا ہو گا فرمایا پھر موت آئے گی انہوں نے کہا تو پھر ابھی سہی۔"

درج بالا حدیث مشکل ہے کیونکہ اس میں کچھ اشکالات ہیں کہ کس طرح ایک مقرب نبی ایک مقرب فرشتے کو تھپڑ مار سکتے ہیں اور پھر اس سے فرشتے کی آنکھ کا ضائع ہونا وغیرہ۔ ان اشکالات کو دور کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ ملائکہ انسان کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ یہ انسانی صورت اختیار کرنا ان کے لیے ایسے ہی ہے جیسا کہ انسان کے لیے لباس لہذا اس تھپڑ نے اس صوری آنکھ میں اثر کیا نہ کہ اس ملکی آنکھ میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تھپڑ اختیار دینے سے پہلے روح قبض کرنے کے اقدام پر مارا کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کو موت اور حیات کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے۔ مزید برآں ملا علی قاریؒ، امام مازریؒ کے حوالے سے اس اشکال کو دور کرنے کے لیے تفصیلا بحث کرتے ہیں کہ بعض ملحدین نے اس حدیث کا انکار کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ کیسے جائز ہوا کہ وہ ملک الموت کی آنکھ کو پھوڑیں اور پھر اس کے جوابات دیے جن میں پہلا جواب یہ ہے کہ یہ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اس تھپڑ کی اجازت دی ہو اور یہ فرشتے کے لیے امتحان ہو اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس پہلے جواب کے حوالے سے ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ یہ بات مخفی نہیں کہ ایسا ہونا بعید ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بطور مجاز ہے اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو دیکھا، اس سے جھگڑے اور اس پر غالب آگئے تو جیسا کہ جب کوئی دوسرے پر دلیل سے غالب آجائے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں نے فلاں کی آنکھ پھوڑ دی۔ اس جواب کے حوالے سے صاحب مرقاۃ کہتے ہیں کہ اس میں بھی کمزوری ہے کیونکہ نبی مکرم ﷺ نے آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی آنکھ لوٹا دی۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس فرمان کا یہ مطلب ہے کہ ان کی حجت لوٹانے کا ارادہ کیا گیا تو یہ بھی بعید ہے۔ تیسرا جواب یہ دیا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ اللہ کی طرف سے فرشتے ہیں اور یہ گمان کیا کہ وہ کوئی آدمی ہے جو ان کی جان لینا چاہتا ہے تو آپ نے اپنا دفاع کرتے ہوئے اس کو تھپڑ رسید کیا جس سے ان کی آنکھ پھوٹ گئی جبکہ آپ کا آنکھ پھوڑنے کا ارادہ نہیں تھا۔ یہ جواب امام ابی بکر بن حزم اور دیگر متقدمین کی طرف سے ہے جس کو قاضی عیاضؒ نے بھی اختیار کیا۔ مزید لکھتے ہیں کہ جب وہ فرشتہ دوبارہ آئے اس علامت کے ساتھ جنہیں حضرت

موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ وہ ملک الموت ہیں تو آپ نے پہلی مرتبہ کے خلاف ان کے آگے سر تسلیم خم کیا۔

آخر میں ملا علی قاریؒ شرح السنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مسلمان کے لیے اس پر ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ یہ سب کچھ اللہ کی قدرت اور حکم سے ہوا اور یہ جھگڑا ایک معزز فرشتے اور کلیم اللہ نبی کے مابین ہوا۔ ان دونوں کی خاص صفات ہیں جن کا معاملہ عام انسانوں جیسا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واضح معجزات عطا کیے۔ پس جب آپ کی وفات قریب آئی اور آپ چونکہ بشر تھے جو کہ طبعی طور پر موت کو ناپسند کرتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے آپ پر کرم کیا کہ اچانک موت نہ دی اور نہ ہی موکل فرشتے کو حکم دیا کہ وہ آپکی روح کو زبردستی لے آئیں بلکہ اس فرشتے کو انسانی صورت میں امتحان کے طور پر بھیجا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرشتے کو دیکھا تو آپکو ان کا اس مقصد کے لیے آنا پسند نہ آیا تو آپ نے اسکی آنکھ پھوڑ دی جو کہ بشری صورت میں تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں جلال تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے قبطی کو مکا مارا اور الواح کو گرا دیا اور اپنے بھائی ھارون علیہ السلام کے بالوں کو پکڑا۔ آخر میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ امام خطابیؒ نے اس حدیث پر طعن کرنے والے اہل بدعت اور ملحدین کا رد کرتے ہوئے اس معنی کو اپنی کتاب میں ذکر کیا۔[1]

2۔ مکھی کے ایک پر میں بیماری اور ایک میں شفا ہونا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهُ، ثُمَّ لِيَطْرَحْهُ، فَإِنَّ فِي أَحَدِ جَنَاحَيْهِ شِفَاءً، وَفِي الآخَرِ دَاءً»[2]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسالت مآب صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا جب تمہارے پینے کی چیز میں مکھی گر جائے تو اسے ڈبو دینا چاہیے پھر نکال کر پھینک دیا جائے کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے میں شفا ہے۔"

باب ما یحل اکلہ و ما یحرم کی فصل ثانی کی درج بالا حدیث کا شمار بھی مشکل الحدیث میں ہوتا ہے کہ کس

---

[1] ۔ملا علی القاری، مرقاۃ المفاتیح ، ملتان : مکتبہ امدادیہ ، ملخصاً 22،23:11

[2] ۔صحیح بخاری، باب اذا وقع ذباب فی الاناء، 140:7

طرح مکھی کے ایک پر میں شفا ہے اور اس کے دوسرے پر میں بیماری ہے۔ لہذا اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے اور اس کے اشکال کو دور کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ بیماری اور شفا حقیقت پر محمول ہیں کیونکہ کوئی ایسی چیز نہیں جو اس کو مجاز پر محمول کرے۔ اس کے بعد علامہ تورپشتیؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ہم نے مکھی کے ایک پر میں بیماری ہونے اور ایک میں شفا ہونے کے حوالے سے، جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خلقت کے عجائب اور اپنی فطرت کے انوکھے پن پر دلالت کرنے کے لیے ہمارے لیے بنائی ہیں، شواہد پائے ہیں جن میں ایک شہد کی مکھی ہے۔ جس کے پیٹ سے نفع بخش مشروب نکلتا ہے۔ جبکہ اس کی دم سے زہر نکلتا ہے۔

اس کے علاوہ مکھی کا اس پر کو گرانا جس میں بیماری ہے جیسا کہ دوسری روایت میں ہے تو اللہ تعالیٰ نے حیوان میں طبعی اور جبلی طور پر ایسی چیزیں الہام کی ہیں۔ اس سے بھی زیادہ تعجب والی چیز جس کی طرف متعجب کو نظر کرنی چاہیے وہ چیونٹی ہے جو کہ مکھی سے بھی چھوٹی اور حقیر ہے لیکن اس میں کمالات بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں کہ کس طرح خوراک اکھٹا کرنے کی کوشش کرتی ہے، زمین سے اگنے والی فصلوں کے موسم کا اس کو خوب علم ہے، جب فصلوں کی کٹائی ہوتی ہے تب یہ اپنے راشن کے ذخیرہ کیلئے چلی آتی ہے، یہ سب سے پہلے دانے کو دھوپ میں سکھاتی ہے تاکہ سڑ نہ جائے، دانے کو کاٹ دیتی ہے تاکہ وہ پھوٹ نہ پڑے اور پھر اسکو ذخیرہ کرلیتی ہے تاکہ وقت ضرورت پر کام آئے۔ پس اللہ رب العالمین پاک ہے ہر عیب سے ہے لہذا ہمیں اس پر استشہاد کی کوئی ضرورت نہیں تھی جس کے بارے میں صادق المصدوق ﷺ نے خبر دی سوائے اس کے کہ مضطرب طبیعت والوں سے بچاو اور غلط عقائد والوں پر شفقت کی جائے۔

ملا علی قاریؒ مزید علامہ خطابیؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس حدیث پر کچھ ایسے لوگوں نے کلام کیا جن کا (علم و فہم میں) کوئی حصہ نہیں اور انہوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور کیسے بیماری اور شفاء مکھی کے پروں میں جمع ہو سکتی ہے اور وہ کیسے خود سیکھ سکتی ہے کہ بیماری والا پر آگے کرتی ہے اور شفا والا پر پیچھے رکھتی ہے اور اس طرح کی دوسری چیزیں۔ تو یہ سوال جاہلانہ ہے کیونکہ وہ اپنے نفس اور باقی حیوانات کے نفوس میں دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں گرمی، سردی، تری اور خشکی اکھٹی کردی ہیں جبکہ یہ متضاد چیزیں ہیں جب آپس میں ملتی ہیں تو بگاڑ پیدا

کرتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آپس میں جوڑ دیا ہے اور ان کو اکھٹے رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔[1]

3۔حضرت آدم اور حضرت موسی علیہما السلام کا رب تعالی کے ہاں مکالمہ کرنا:

عن أَبَى هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ عِنْدَ رَبِّهِمَا، فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى، قَالَ مُوسَى: أَنْتَ آدَمُ الَّذِي خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ، وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهُ، وَأَسْكَنَكَ فِي جَنَّتِهِ، ثُمَّ أَهْبَطْتَ النَّاسَ بِخَطِيئَتِكَ إِلَى الْأَرْضِ، فَقَالَ آدَمُ: أَنْتَ مُوسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللهُ بِرِسَالَتِهِ وَبِكَلَامِهِ وَأَعْطَاكَ الْأَلْوَاحَ فِيهَا تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ وَقَرَّبَكَ نَجِيًّا، فَبِكَمْ وَجَدْتَ اللهَ كَتَبَ التَّوْرَاةَ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ، قَالَ مُوسَى: بِأَرْبَعِينَ عَامًا، قَالَ آدَمُ: فَهَلْ وَجَدْتَ فِيهَا وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: أَفَتَلُومُنِي عَلَى أَنْ عَمِلْتُ عَمَلًا كَتَبَهُ اللهُ عَلَيَّ أَنْ أَعْمَلَهُ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي بِأَرْبَعِينَ سَنَةًقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى»[2]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حضرت آدم اور موسیٰ کا اپنے رب کے پاس مکالمہ ہوا پس آدم موسیٰ پر غالب آ گئے موسیٰ نے فرمایا آپ وہ آدم ہیں جنہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور تم میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی اور آپ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ کو اپنی جنت میں سکونت عطا کی پھر آپ نے لوگوں کو اپنی غلطی کی وجہ سے زمین کی طرف اتروادیا آدم نے فرمایا آپ وہ موسیٰ ہیں جسے اللہ نے اپنی رسالت اور ہم کلامی کے لیے منتخب فرمایا اور آپ کو تختیاں عطا کیں جن میں ہر چیز کی وضاحت تھی اور آپ کو سرگوشی کے لیے قربت عطا کی تو اللہ کو میری پیدائش سے کتنا عرصہ پہلے پایا جس نے تورات کو لکھا موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا چالیس سال پہلے۔ آدم (علیہ السلام) نے فرمایا کیا تو نے اس میں (وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى) یعنی آدم نے اپنے رب کی ظاہراً نافرمانی کی اور راہ راست سے دور ہوئے پایا موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا جی ہاں حضرت آدم (علیہ السلام) نے فرمایا کیا آپ مجھے ایسا عمل کرنے پر ملامت کرتے ہیں جسے اللہ نے میرے لیے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے ہی

[1] مرقاة المفاتيح، 134،148:8

[2] صحيح مسلم، باب حجاج آدم و موسى عليهما السلام ،2043:4

لکھ دیا تھا کہ میں وہ کام کروں گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پس آدم موسیٰ پر غالب آ گئے۔"

باب الایمان و القدر کی فصل اول کی درج بالا حدیث کا شمار بھی مشکل الحدیث میں ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں کس طرح اپنے رب کے ہاں اکھٹے ہوئے جبکہ دونوں انبیاء کے درمیان طویل عرصہ ہے۔ کیا یہ اکھٹا ہونا جسمانی تھا یا روحانی یا یہ واقعہ کب ہوا۔ تو اس اشکال کو ملا علی قاریؒ دور کرتے ہوئے دو صورتیں ذکر کرتے ہیں کہ کہا گیا کہ یہ جھگڑا روحانی تھا جو عالم غیب میں ہوا اس کی تائید حدیث کے اس ٹکڑے سے ہوتی ہے کہ عند ربھما یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ اس کے بعد ملا علی قاریؒ مزید لکھتے ہیں کہ یہ بھی جائز ہے کہ یہ جسمانی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں انبیاء کو زندہ کیا ہو یا حضرت آدم علیہ السلام کو حضرت موسیٰ کی زندگی میں جمع کیا ہو اور وہ دونوں اللہ تعالی کی بارگاہ میں اکھٹے ہوئے ہوں جیسا کہ حدیث اسراء سے ثابت ہے کہ نبی پاک ﷺ انبیاء کے ساتھ جمع ہوئے۔[1]

4۔ بخار کا جہنم کی بھاپ میں سے ہونا:

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الْحُمَّى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَابْرُدُوهَا بِالْمَاءِ[2]

"حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا بخار جہنم کی بھاپ سے ہے پس اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔"

کتاب الطب و الرقی کی فصل اول کی درج بالا مشکل الحدیث کی وضاحت اور اشکال دور کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ پہلے حدیث کے پہلے حصے الحمی من فیح جھنم کے بارے میں مختلف اقوال ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کہا گیا یہ حقیقتا ہے اور بخار والے شخص کے جسم میں حرارت کا شعلہ اس کا ٹکڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکو ایسے اسباب سے ظاہر کیا تاکہ بندے اس سے عبرت حاصل کریں۔ بزار حدیث روایت کرتے ہیں کہ بخار مومن کا آگ میں سے حصہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے یہ بطور تشبیہ ہے کہ بخار کی گرمی جہنم کی گرمی کی طرح ہے۔ لیکن اولیٰ پہلا قول ہی

---

[1]۔ مرقاة المفاتيح، 147:1

[2] صحيح مسلم، باب لكل داء دواء، 1732:4

ہے جس کو امام سیوطیؒ نے ذکر کیا۔ بعض شارحین نے کہا حرارت کی شدت یہ جہنم کی آگ سے تشبیہ ہے کہ جس طرح وہ عذاب دیتی ہے اور جسم کو عذاب اور کرب میں مبتلا کر دیتی ہے اسی طرح بخار کی حرارت بھی کرتی ہے۔امام طیبیؒ کہتے ہیں کہ "الفیح" گرمی کے چڑھنے اور جوش مارنے کو کہتے ہیں اور اسکی دو توجیہات ہیں ایک یہ کہ یہ تشبیہ ہے دوسری صورت کہ بعض نے کہا کہ بخار حقیقتا جہنم کی حرارت سے ماخوذ ہے۔ کہا گیا ہے یہ دنیا میں بھیجا گیا ہے تاکہ جھگڑا کرنے والوں کو ڈرائے اور اعتبار کرنے والوں کو خوشخبری دے کیونکہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہے اور علامہ طیبیؒ نے کہا اس حدیث میں لفظ من بیانیہ نہیں ہے یہاں تک کہ تشبیہ ہو جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: { حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ }[1] پس یہ یا ابتدایہ ہے کہ بخار جہنم کی حرارت سے ہے یا تبعیضیہ ہے کہ اس میں سے کچھ حصہ ہے۔اس تاویل پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو کہ صحیح البخاري میں ہے کہ:

اشْتَكَتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا فَقَالَتْ: رَبِّ أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا، فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ: نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ، فَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الحَرِّ، وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهَرِيرِ [2]

پس جسطرح گرمی کی حرارت اس کی بھاپ کے اثر سے ہے اسی طرح بخار بھی ہے۔ حدیث کے دوسرے حصے فَابْرُدُوهَا بِالْمَاءِ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے مراد ٹھنڈے پانی کے ذریعے اس کی گرمی کی شدت کو ٹھنڈا کرو اور یہ شامل ہے پینے، غسل کرنے اور بدن کے بعض حصے پر ڈالنے کو جیسا کہ پیشانی، ہاتھوں اور پاؤں پر واللہ اعلم۔اس کے بعد مزید لکھتے ہیں کہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے ٹھنڈے پانی سے اس کی شدت کو ٹھنڈا کرو۔ کہا گیا ہے کہ یہ خاص ہے بعض بخارات کے ساتھ جو گرمی کی شدت سے ہوتے ہیں اور بعض اشخاص کے ساتھ جیسا کہ اہل حجاز کیونکہ ان کو اکثر بخارات ان کی حرارت کی زیادتی اور شدت سے ہوتے ہیں تو ان کو ٹھنڈے پانی پینے اور غسل کرنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ امام سیوطیؒ ذکر کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کو جب بخار ہوتا تو آپ پانی کا برتن منگواتے تو اس کو اپنے بدن پر ڈالتے اور ایک روایت میں ہے کہ زمزم کے پانی کو منگواتے جیسا کہ وارد

---

[1] ۔البقرة:187:2

[2] ۔صحيح البخارى، باب صفة النار، 120:4، حديث: 3260،

ہے کہ وہ ہر بیماری سے شفا دیتا ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ بخار والے کو پانی پلاؤ تا کہ اس میں ٹھنڈک پیدا ہو اور بعض متقدمین اطباء کے کلام میں بھی یہ بات ملتی ہے کہ ٹھنڈا پانی گرم بخاروں کے لئے ادویات میں سے زیادہ نفع بخش اور بہت جلد ٹھنڈک پیدا کرتا ہے کیونکہ پانی سہولت کے ساتھ پھیل جاتا ہے اور بیماری والی جگہوں تک پہنچتا ہے اور اس کی حرارت کو ختم کر دیتا ہے بغیر کسی دوسری طبعی مدد کے۔ امام سیوطیؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد غسل نہیں بلکہ بدن اور کپڑے کے درمیان پانی چھڑکنا ہے جیسا کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنھا فرماتی ہیں اور وہ دوسروں سے زیادہ جاننے والی ہیں۔ امام خطابیؒ نے فرمایا کہ اس حدیث کے حوالے سے بعض علم سے منسوب لوگوں نے غلطی کی کہ جب ان کو بخار ہوا تو وہ پانی میں ڈوب گئے اور حرارت ان کے بدن کے اندر تک سرایت کر گئی تو ان کو ایسی تکلیف پہنچی کہ قریب تھا کہ وہ ہلاک ہو جائیں اور جب اس تکلیف سے نکلے تو ایسی فضول باتیں کیں جن کا ذکر کرنا مناسب نہیں یہ سب ان کے حدیث کے معنی کی جہالت کے سبب تھا۔ پس صفراوی بخار کو ٹھنڈا پانی پی کر ٹھنڈا کرنا اور بخار والے شخص کے اطراف کو پانی میں رکھنا سب سے نفع والا علاج ہے اور سب سے تیزی سے بخار کی شدت کو ختم کرتا ہے۔ پس اس جہت سے بخار کو پانی سے ٹھنڈا کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ پانی میں سر یا بدن کو ڈبو کر۔[1]

5۔ ہر صبح عجوہ کی سات کھجوریں کھانا اور اس پر زہر اور جادو کا اثر نہ ہونا:

عَنْ سعد قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:«مَنْ تَصَبَّحَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعَ تَمَرَاتٍ عَجْوَةً، لَمْ يَضُرَّهُ فِي ذَلِكَ اليَوْمِ سُمٌّ وَلاَ سِحْرٌ»[2]

"حضرت سعد سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی ہر صبح کو سات عجوہ کھجوریں کھالے تو اس دن کوئی زہر اور جادو اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

درج بالا حدیث بھی علماء حدیث کے نزدیک مشکل الحدیث میں شامل ہے۔ اس میں یہ اشکال ہے کہ کس طرح عجوہ کھجور زہر اور جادو کے ضرر سے بچاتی ہے؟ لہذا اس حدیث کی وضاحت اور اس کے اشکال کو دور کرتے ہوئے سب سے پہلے ملا علی قاریؒ روضۃ الاحباب کے حوالے سے عجوہ کی وضاحت کرتے ہیں کہ عجوہ کھجور مدینہ

1۔ مرقاۃ المفاتیح، 8:347

2۔ صحیح البخاری ، باب العجوة، 7: 80

منورہ کی کھجوروں کی ایک عمدہ قسم ہے اور اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد دیگر آئمہ اور کتب کے حوالے دیتے ہیں اور النہایہ کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں کہ عجوہ مدینہ منورہ کی کھجوروں میں سے ایک قسم ہے جو کہ صیحانی سے بڑی ہوتی ہے، اسکی رنگت سیاہ ہوتی ہے اوراس کو آپ ﷺ نے لگایا۔ مظہر کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اس بات کا احتمال ہے کہ کھجور کی اس خاص قسم میں یہ خصوصیت ہو کہ وہ جادو اور زہر کو ختم کر دے اور رسول اللہ ﷺ نے کھجور کی اس قسم کے لیے برکت اور شفا کی دعا کی ہو۔ امام نوویؒ نے کہا اس حدیث میں مدینہ منورہ کی کھجور عجوہ اور صبح کے وقت سات کھجوروں کے کھانے کی فضیلت ہے اور اشکال کو دور کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مدینہ کی عجوہ اور سات کا عدد ایسی چیزیں ہیں جن کو شارع علیہ السلام نے بتایا۔ ہم اس کی حکمتوں کو نہیں جانتے پس ہمارے لیے اس پر ایمان لانا، اسکی فضیلت اور اس میں موجود حکمتوں کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے اور یہ عدد نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کے اعداد کی طرح ہیں۔[1]

6۔اس امت پر آخرت میں عذاب نہ ہونا:

عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أُمَّتِي هَذِهِ أُمَّةٌ مَرْحُومَةٌ، لَيْسَ عَلَيْهَا عَذَابٌ فِي الْآخِرَةِ، عَذَابُهَا فِي الدُّنْيَا الْفِتَنُ، وَالزَّلَازِلُ، وَالْقَتْلُ»[2]

''حضرت ابو موسی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری اس امت پر رحم کیا گیا ہے اس کا آخرت میں عذاب نہیں ہے اس کا عذاب دنیا میں فتنوں، زلزلوں اور قتل کی صورت میں ہے۔''

باب الانزار و التحذیر کی فصل ثانی کی درج بالا پہلی حدیث مشکل ہے کیونکہ اس کا مفہوم یہ کہ آپ ﷺ کی امت میں سے کسی کو عذاب نہیں دیا جائے گا چاہے اس نے کبائر وغیرہ کا ارتکاب کیا حالانکہ مرتکب کبیرہ کے عذاب کے حوالے سے احادیث وارد ہیں جیسا کہ اسی حدیث کی شرح میں مظہر کا قول ذکر کیا گیا ہے۔ لہذا اس

[1]۔ مرقاۃ المفاتیح، 347:8

[2]۔ أبو داود، سليمان بن الأشعث ، سنن أبي داود (المتوفى: 275ھ) المكتبة العصرية، صيدا ،بيروت،باب ما يرجى فى القتل، 4 : 105

اشکال کو دور کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ یہاں امت سے مراد وہ ہیں جنہوں نے صحیح طریقے سے نبی اکرم ﷺ کی پیروی کی اور جو اللہ نے حکم دیا اس پر عمل کیا اور جس شے سے منع کیا اس سے رک گئے اور یہ بھی کہا گیا یہ حدیث خاص ہے اس جماعت کے ساتھ جو کبائر کی مرتکب نہیں ہوئی اور ممکن ہے کہ یہ اس امت میں کسی خاص جماعت کی طرف اشارہ ہو اور وہ صحابہ کرام ہو یا اللہ تعالیٰ کی مرضی پر بھی موقوف ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾[1]

"بے شک اللہ اس چیز کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔"

اور امام طیبیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث آپ ﷺ کی امت کی مدح میں وارد ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی عنایت اور رحمت سے خاص کیا گیا ہے وہ اس طرح کہ اگر ان کو دنیا میں کوئی مصیبت پہنچتی ہے حتیٰ کہ کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کے گناہ مٹا دیتا ہے اور یہ خصوصیت باقی امتوں کی نہیں۔ اس کی تائید لفظ ھذہ اور اس کے بعد لفظ مرحومہ سے بھی ہوتی ہے۔ آخر میں ملا علی قاریؒ اس حدیث کے دیگر طرق بھی ذکر کرتے ہیں کہ اس حدیث کو حاکم نے مستدرک میں ذکر کیا اور اس کو صحیح کہا اور امام ذہبیؒ نے اس کو برقرار رکھا۔[2]

7۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا تمام اعمال سے افضل ہونا:

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ، وَأَزْكَاهَا، عِنْدَ مَلِيكِكُمْ، وَأَرْفَعِهَا فِي دَرَجَاتِكُمْ، وَخَيْرٍ لَكُمْ مِنْ إِعْطَاءِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ، وَخَيْرٍ لَكُمْ مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ، فَتَضْرِبُوا أَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوا أَعْنَاقَكُمْ قَالُوا: وَذَلِكَ مَا هُوَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: «ذِكْرُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ»[3]

"حضرت ابو درداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں سب سے بہتر عمل

---

[1] ۔النسا 4: 48

[2] ۔مرقاۃ المفاتیح،10:106

3۔ مسندأحمد ،باب حدیث ابی الدرداء، 36: 33

جو پاکیزہ اور تمہارے درجات میں سب سے زیادہ ترقی کا سبب ہے اور اللہ کی راہ میں سونے چاندی
کے خرچ کرنے سے بھی افضل ہے اور یہ کہ تمہاری صبح کو دشمنوں سے مڈبھیڑ ہو اور تم ان کی
گردن اڑادو اور وہ تمہاری گردن اڑادیں اس سے بھی بڑھ کر عمل۔۔وہ اللہ کا ذکر ہے۔"

باب ذکر اللہ عزوجل و التقرب الیہ کی فصل ثانی کی درج بالا حدیث میں ظاہرا اشکال ہے کہ کس طرح ذکر کو بڑے بڑے اعمال جیسے سونے چاندی کو خرچ کرنا اور دشمن سے جہاد کرنے پر فضیلت حاصل ہے۔ لہذا اس اشکال کو دور کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ ابن الملک کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد قلبی ذکر ہے نہ کہ خالی زبانی ذکر کیونکہ اس کا مال خرچ کرنے سے بڑا درجہ ہے کیونکہ یہ نفسی عمل ہے اور قلب کا فعل جوارح کے عمل سے زیادہ مشقت والا ہوتا ہے بلکہ وہ جہاد اکبر ہے۔ قلبی ذکر جو کہ باطنی جہاد ہے وہ لڑائی سے افضل ہے جو کہ ظاہری جہاد ہے۔پس یہ حدیث آپ ﷺ کے اس قول کی طرح ہو گی کہ جس میں فرمایا۔«لَوْ أَنَّ رَجُلًا فِي حِجْرِهِ دَرَاهِمُ يُقَسِّمُهَا، وَآخَرُ يُذْكَرُ اللَّهَ، كَانَ الذَّاكِرُ لِلَّهِ أَفْضَلُ»[1] "اگر کسی آدمی کی گود میں بہت سارے درہم ہوں جن کو وہ تقسیم کرے اور دوسرا آدمی اللہ کا ذکر کرے تو اللہ کا ذکر کرنے والا ان میں افضل ہے۔"

اس اشکال کو مزید دور کرتے ہوئے صاحب مرقاۃ عزالدین بن عبد السلامؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ تمام عبادات میں ثواب محض مشقت پر مترتب نہیں ہوتا بلکہ ثواب عمل کی عظمت کے درجات کے فرق پر مرتب ہوتا ہے۔ یہ قول نقل کر کے ملا علی قاریؒ اسکی تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حق بات ہے۔ اس کے بعد امام ابن حجرؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انفاق بخل کی بیماری کو ختم کرتا ہے اور جان قربان کرنا بزدلی کی بیماری کو کاٹتا ہے جبکہ ذکر ان میں سے کسی بیماری کو ختم نہیں کرتا جو کہ بہت بڑی بیماریاں ہیں۔ صاحب مرقاۃ اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ بات لفظ ذکر کے معنی اور اسکی حقیقت سے غفلت کی بنا پر ہے کیونکہ ظاہری اور باطنی ساری بیماریاں ذکر ہی سے ختم ہوتی ہیں۔ یہ ذکر دل پر اثر ڈالتا ہے جو کہ تمام اعضاء کا سلطان ہے اور اسی سے مال اور جان خرچ کرنے والے اعمال پیدا ہوتے ہیں اور اس کے بغیر تو صرف مال ضائع کرنا ہے کہ ان سے تقرب حاصل نہیں ہوتا۔ ذکر کی افضلیت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ساری عبادات چاہے وہ انفاق ہو یا جہاد وہ

1 الطبراني، سليمان بن أحمد ،المعجم الأوسط،دار الحرمين ، 6: 116

سب اللہ تعالیٰ سے قرب کا ذریعہ ہیں جبکہ ذکر مقصود اور سب سے زیادہ مطلوب چیز ہے۔ ذکر کی فضیلت میں درج ذیل آیت اور حدیث ہی کافی ہیں۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ [1]

"پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔"

أَنَا جَلِيسُ مَنْ ذَكَرَنِي[2]

"جس نے مجھے یاد کیا میں اس کا ہمنشین ہوں۔"

اس وجہ سے امام غزالیؒ نے ذکر کے مقام میں داخل ہونے کے بعد کہا کہ میں نے وجیز، وسیط اور بسیط میں اپنی عمر کا ایک حصہ ضائع کر دیا۔ پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ افضل الذكر لا اله الاالله ہے اور اسی بنیاد پر دین کے سارے ارکان قائم ہیں اور یہ سب سے بلند کلمہ ہے اور یہ ہی وہ مدار ہے جس کے گرد اسلام کی چکی گھوم رہی ہے اور یہ گھاٹی ایمان کی اعلیٰ گھاٹیوں میں سے ہے۔ [3]

8۔ کسی مسلمان کو کافر کہنے پر کفر کا دونوں میں سے کسی ایک پر لوٹنا

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: «مَنْ قَالَ لِأَخِيهِ: كَافِرٌ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا [4]

"عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو دونوں میں سے ایک کافر ہو گیا۔"

باب حفظ اللسان و الغيبه و الشتم کی فصل اول کی درج بالا حدیث کی شرح میں ملا علی قاریؒ نے امام

---

[1] ۔ البقرۃ:2: 152

[2] ۔أبو بكر بن أبي شيبة، مصنف ابن أبي شيبة،مؤسسة الرسالة8بيروت، الطبعةالأولى، 1409 ،باب کلام موسی النبی علیہ السلام، 1: 108

3۔ مرقاة المفاتيح، جلد 5، ص62، 63

[4]۔ مالك بن أنس بن مالك، المؤطا مالك ، 5 مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان أبو ظبي - الإمارات ، 1425 هـ - 2004 م ، باب مایکرہ من الکلام، 1433:5

نوویؒ کا قول ذکر کیا کہ اس حدیث کو بعض علماء نے مشکلات میں شامل کیا ہے اس وجہ سے کہ اس کا ظاہر مراد نہیں۔لہٰذا اس کی شرح کے دوران صاحب مرقاۃ اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ اس کا معنی ہے کہ اس قول کا گناہ لوٹتا ہے جس نے بھی ان دونوں میں سے کہ۔اگر کہنے والے نے مسلمان کے کفر کا اعتقاد کیا اس کے کسی گناہ کی وجہ سے یا دوسرے پر اگر اس نے قائل کی تصدیق کی۔ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ ہمارے علماء میں سے بعض شارحین نے ایسا ہی ذکر کیا ہے اور علامہ طیبیؒ نے کہا کیونکہ جب کہنے والے نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اے کافر تو اگر یہ سچ ہے تو اس پر کفر لوٹ جائے گا اور اگر جھوٹ بولا اور دین اسلام کے بطلان کا اعتقاد کیا تو یہ کلمہ اس کہنے والے کی طرف لوٹ جائے گا۔امام نوویؒ کہتے ہیں کہ اہل حق کا مذہب ہے کہ مسلمان کے گناہوں کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جائے گی جیسا کہ قتل اور زنا وغیرہ اور خواہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہنے کا ہی مرتکب کیوں نہ ہو بشرطیکہ وہ دین اسلام کے باطل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے تو اس کی طرف کفر کی نسبت نہ کی جائے (جبکہ مذکورہ حدیث کا ظاہری مفہوم یہ ثابت کرتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کافر کہے اور حقیقت میں وہ کافر نہ ہو تو کہنے والا خود کافر ہو جائے گا) چنانچہ اسی وجہ سے اس حدیث کی تاویل کی مختلف صورتیں ہیں پہلی یہ کہ اس کا محمول وہ شخص جو نہ صرف یہ کہ کسی مسلمان کو کافر کہے بلکہ کسی مسلمان کی طرف کفر کی نسبت کرنے کو حلال و جائز بھی سمجھے۔دوسری صورت یہ ہے کہ اس کی طرف تکفیر کا گناہ لوٹ آئے گا۔تیسری یہ کہ یہ محمول ہے خوارج پر جو کہ مومنین کی تکفیر کرتے ہیں لیکن یہ ضعیف ہے کیونکہ صحیح اور مختار مذہب جس کو اکثر نے کہا کہ خوارج دوسرے اہل بدعت کی طرح ہیں جن کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔چوتھی صورت یہ ہے کہ اس کا معنی ہے اس کی تکفیر اس کی طرف لوٹ جائے گی نہ کہ حقیقت کفر کیونکہ اس نے اپنے مومن بھائی کو کافر بنایا گویا اس نے اپنے نفس کی تکفیر کی یا اس نے جو اس کی مثل تھا اس کی تکفیر کی۔

9۔جنت اور دوزخ کا آپس میں جھگڑا کرنا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَاجَّتِ الجَنَّةُ وَالنَّارُ، فَقَالَتِ النَّارُ: أُوثِرْتُ بِالْمُتَكَبِّرِينَ وَالمُتَجَبِّرِينَ، وَقَالَتِ الجَنَّةُ: مَا لِي لاَ يَدْخُلُنِي إِلَّا ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَسَقَطُهُمْ، قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لِلْجَنَّةِ: أَنْتِ رَحْمَتِي أَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ مِنْ عِبَادِي، وَقَالَ لِلنَّارِ: إِنَّمَا أَنْتِ عَذَابِي أُعَذِّبُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ مِنْ عِبَادِي، وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا مِلْؤُهَا، فَأَمَّا النَّارُ: فَلاَ تَمْتَلِئُ حَتَّى يَضَعَ

رِجْلَهُ فَتَقُولُ: قَطْ قَطْ، فَهُنَالِكَ تَمْتَلِئُ وَيُزْوَى بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ، وَلاَ يَظْلِمُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ خَلْقِهِ أَحَدًا، وَأَمَّا الجَنَّةُ: فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُنْشِئُ لَهَا خَلْقًا [1]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنت اور دوزخ کا آپس میں جھگڑا ہوا دوزخ کہنے لگی مجھے متکبر اور ظالم لوگوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے اور جنت کہنے لگی مجھے کیا ہے میرے اندر تو سوائے کمزور حقیر اور عاجز لوگوں کے اور کوئی داخل نہیں ہو گا اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے میں تیرے ذریعے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں گا رحم کروں گا اور دوزخ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو میرا عذاب ہے میں تیرے ذریعے اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں گا عذاب دوں گا لیکن تم میں سے ہر ایک کو بھرنا ضروری ہے پھر جب دوزخ نہیں بھرے گی تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھیں گے تو دوزخ کہے گی بس بس پھر وہ بھر جائے گی اور اللہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور جنت کو بھرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ایک نئی مخلوق پیدا فرمائے گا۔"

باب خلق الجنة و النار کی فصل اول کی درج بالا پہلی حدیث کا شمار بھی مشکلات الحدیث میں ہوتا ہے۔ اس میں یہ اشکال ہے کہ جنت اور دوزخ کس طرح مجادلہ کر سکتی ہیں۔ لہٰذا اس کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب مرقاۃ کہتے ہیں کہ یہ مجادلہ زبان سے بھی ہو سکتا ہے یا حال سے بھی۔ اس کے بعد علامہ طیبیؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس حدیث میں جس محاجہ کا ذکر ہے یہ حقیقتاً ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ ان کو قوت تمیز و خطاب عطا فرما دے یا یہ بطور تمثیل ہے۔ ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک پہلی بات ہی قابل اعتماد ہے کیونکہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ جو کچھ بھی عالم میں ہے وہ جمادات ہو یا تمام حیوانات سب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔ اس کے علاوہ اس سے کوئی واقف نہیں ہو سکتا ان کی نماز، تسبیح اور ڈر بھی ہے۔ پس آدمی پر ان چیزوں کا ایمان لانا ضروری ہے اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے اس کے دلائل بہت سے ہیں یہ اس کے ذکر

---

[1] صحيح البخارى ، باب قوله (و تقول هل من مزيد) ، 6: 138

کرنے کا مقام نہیں۔[1]

10۔ نماز سے حد کا ساقط ہونا:

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَصَبْتُ حَدًّا فَأَقِمْهُ عَلَيَّ، قَالَ: وَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَصَبْتُ حَدًّا، فَأَقِمْ فِيَّ كِتَابَ اللهِ، قَالَ: «هَلْ حَضَرْتَ الصَّلَاةَ مَعَنَا» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «قَدْ غُفِرَ لَكَ»[2]

"سیدنا انس سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے حد کا کام کیا مجھ پر ح قائم کیجیے اور نماز کا وقت آ گیا۔ پھر اسی نے نماز رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھی جب نماز پڑھی جب نماز پڑھ چکا تو عرض کیا یا رسول اللہ میں نے حد کا کام کیا اللہ کی کتاب کے مطابق مجھ پر حد لگایے آپ ﷺ نے فرمایا: تو نماز میں ہمارے ساتھ تھا؟ وہ بولا ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تجھے بخش دیا۔

کتاب الصلاۃ کی فصل اول کی درج بالا حدیث کی شرح کرتے ہوئے، ملا علی قاریؒ ابن حجر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا ظاہر مشکل ہے کیونکہ حد کا موجب صرف کبیرہ گناہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے نماز کے ذریعے اس کی بخشش کی صراحت کی تو اس میں احتمال ہے کہ وہ مذکور شخص وہ ہی ہو جس کا ذکر باقی روایات میں ہے تو اس صورت میں حد سے مراد وہ سزا ہے جو تعزیر کو شامل ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ کوئی اور شخص ہو اور حد سے مراد حد کی حقیقت ہے اور اس کے گناہوں کی مغفرت کا سبب توبہ ہے اور آپ ﷺ کے اس سے گناہ کے بارے میں نہ پوچھنے میں یہ حکمت ہے کہ آپ ﷺ نے اسکی عذر کی کوئی قسم جان لی اس لیے اس کے بارے نہیں پوچھا اسی وجہ سے اس پر حد جاری نہیں کی کیونکہ اگر آپ اس کو جانتے تو اس پر حد قائم کرنا آپ پر واجب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ توبہ کرتا کیونکہ توبہ حدود کو ساقط نہیں کرتی سوائے قاطع طریق کی حد کے آیت قرآنیہ کی بنیاد پر اسی طرح ذمی کی حد زنا جب اس نے اسلام قبول کیا۔ پس اس حدیث میں تصریح نہیں ہے کہ نماز نے کبیرہ

---

[1] ۔مرقاۃ المفاتیح،371:10

[2] ۔صحيح مسلم ،باب قوله تعالى :ان الحسنات يذهبن السيات، 4: 2117

گناہوں کو مٹادیا بلکہ اگر فرض کر لیا گیا تو اس کی تاویل واجب ہے سابق اجماع کی بنیاد پر۔

اس کے بعد صاحب مرقاۃ قاضی عیاض کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ صغیرہ گناہ نیکیوں کو مٹاتے ہیں اسی طرح مخفی کبائر بھی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے عموم کی بنیاد پر: إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ[1] ''بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹادیتی ہیں'' اور آپ ﷺ کا فرمان أَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا[2] برائی کے بعد نیکی کرو، نیکی برائی کو مٹادے گی۔ پس اس سے جو ظاہر ہوا اور امام حاکم کی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکی حد توبہ کے بغیر ساقط نہیں ہو سکتی۔ توبہ سے حد کے ساقط ہونے میں اختلاف ہے شافعیہ کے نزدیک زیادہ صحیح یہی ہے کہ ساقط نہیں ہوتی اور اس آدمی کی غلطی مخفی کے حکم میں ہوگی کیونکہ وہ واضح نہیں تھی اسی لیے اسکی حد نماز سے ساقط ہوگئی۔ آخر میں ابن الملک کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس شخص کے کبیرہ گناہ کی نماز سے بخشش ایسا حکم ہے جو صرف اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔[3]

خلاصہ ونتائج بحث

صاحب مرقاۃ نے احادیث کے اشکالات کو نہایت عمدگی سے حل کیا ہے اور اس کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ کہیں تو اشکال رفع کرنے کے لیے اپنی عالمانہ وماہرانہ رائے دیتے ہیں تو کہیں ساتھ دوسرے آئمہ اور سابقہ شارحین نے اس حوالے سے جو کلام کیا ہے اس کو بھی نقل کرتے ہیں۔ بعض مواقع پر آپ آئمہ ومحدثین کے اقوال وآراء کو ذکر کر کے اس پر اپنا تبصرہ بھی کرتے ہیں اور اس کو قبول یارد بھی کرتے ہیں۔ آپ اشکالات کو دور کرتے ہوئے اس پہلو کی وضاحت میں آیات قرآنیہ اور دیگر احادیث بھی لاتے ہیں۔ کچھ مواقع پر آپ قاری کو احکام شرح پر بے چون وچرا ایمان لانے کی بھی ترغیب دیتے ہیں کیونکہ ہم بعض احکام کی حکمتوں کو نہیں جانتے۔ الغرض ملا علی قاریؒ نے جامع انداز میں مشکلات الحدیث کو حل کیا ہے۔

---

[1] ۔ ھود 11: 114

[2] ۔ مسند احمد، 36: 313

[3] ۔ مرقاۃ المفاتیح، 2: 112